ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

رُومی کی چند تشبیہات

مولانا جلال الدین رومی بڑے دلنشیں انداز میں تشبیہوں اور مثالوں کے ذریعہ اپنا مطلب واضح کر دیتے ہیں۔ اخلاقیات و نفسیات کا ایک اہم نکتہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اکثر صفات ایسے ہیں جن کو لوگ علی الاطلاق صفاتِ حسنہ سمجھ لیتے ہیں حالانکہ ان کی کیفیت بھی علم کی سی ہے جو ایک بے طرف قوت ہے اس کا مفید یا مضر ہونا اس مقصد پر منحصر ہے جس کے لئے اس کو استعمال کیا جائے:

علم را بر تن زنی مارے شود　　علم را بر جاں زنی یارے شود

یہی اصول اخلاقیات میں بھی کارفرما ہے۔ بذل وجود، ایثارِ مال بلکہ جان کی قربانی بھی فی نفسہٖ نہ اچھی ہے نہ بُری۔ اچھا یا بُرا ہونا اس غایت پر منحصر ہے جس کے حصول کے لئے یہ قربانی کی گئی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسولِ کریمؐ کے مخالف کافر بھی تو جان و مال کی قربانی کرتے تھے لیکن مقصود کے مذموم ہونے کی وجہ سے جاں فشانی اور زر فشانی میں جس قدر وسعت اور شدت ہوگی اسی قدر وہ انسان کو تباہ کریگی۔ کفار قربانیاں اس لئے کرتے تھے کہ وہ محمدؐ پر غالب آجائیں:

اشتراں قرباں ہمی کردند ما　　چیرہ گردد تیغ شاں بر مصطفےٰ

کسی سلطنت میں بادشاہ کا ایک غلام باغی ہو جاتا ہے خزانے پر قبضہ کر لیتا ہے۔ لوگوں کو اپنا ہم خیال اور ہم کار بنانے کے لئے بذل وجود کے دریا بہاتا ہے اور اس ظلم کو اپنے نزدیک عدل سمجھتا ہے مگر یہ عدل، یہ سخاوت، یہ ایثار، تخریبِ اخلاق اور ظلم میں معاون ہوتا ہے۔ لہٰذا اخلاقی صفات کو بھی مقصود کو الگ کر کے نہیں دیکھنا چاہئے۔ مقصود کی خرابی سے ان صفات میں جتنا کمال پیدا کیا جائے گا اتنا ہی بہبودیٔ انسان کو زوال آئے گا:

چوں غلامِ باغیے کو عدل کرد　　مالِ شاں بر باغیاں او بذل کرد
طرفہ تر کانرا ہمی پنداشت عدل　　کز سخاوت کردہ ام ایثار و بذل
بندہ پندارد کہ او خود عدل کرد　　مالِ شہ را بر مساکیں بذل کرد
عدلِ ایں باغی و دادش پیشِ شاہ　　چہ فزاید؟ دوری و روئے سیاہ

کسی ایک انسان کے لئے دوسرا انسان آسانی سے پوری طرح قابلِ فہم نہیں ہو سکتا۔ اکثر انسانوں کے ظاہر و باطن میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ علم اور معلومات کے لحاظ سے انسان کس پایہ کا ہے اس کا

اندازہ تو چند گھنٹوں کی گفتگو میں ہو سکتا ہے۔ لیکن بہت میل جول کے باوجود برسوں تک ایک کو دوسرے کے باطن کا حال معلوم نہیں ہو سکتا۔ نفس کی چھپی ہوئی خباثتیں عرصۂ دراز تک ظاہری نگاہوں سے پنہاں رہتی ہیں کسی کے تحت الشعور میں کیا میلانات اور خواہشیں نہاں خانے میں موجود ہیں ان کی بابت انسان خود اپنے آپ کو دھوکے میں رکھتا ہے چہ جائیکہ وہ دوسروں پر عیاں ہو سکیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ نہان خانۂ شعور میں ادنیٰ اور اسفل میلانات ہی پوشیدہ ہوں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ظاہر میں ایک شخص کی زندگی ویرانہ سی معلوم ہوتی ہے لیکن اس ویرانے کے اندر بلند جذبات کا خزینہ موجود ہوتا ہے جو ظاہر کی آنکھ کو نظر نہیں آتا :

توان شناخت بیک روزناز شمائل مرد کہ تا کجا ش رسیدہ است پایگاہِ علوم

ولے ز باطنش ایمن مباش وغرہ مشو کہ خبثِ نفس نگردد بسالہا معلوم

مولانا فرماتے ہیں :

دیر باید تا کہ سرِّ آدمی آشکارا گردد از بیش و کمی

اس کا جاننا آسان نہیں کہ بدن کی دیوار کے اندر اور تحت الشعور کی گہرائیوں میں بلند افکار و میلاناتِ شریفہ کا کوئی گنجِ بے بہا ہے یا محض چیونٹیوں، سانپوں اور اژدھاؤں کا ٹھکانا ہے :

زیر دیوارِ بدن گنجیست یا خانۂ موریست و مار و اژدھا

نفس کی گہرائیوں میں کیا کیا پوشیدہ ہے اس کا صحیح علم نہ اپنے آپ کو ہوتا ہے اور نہ یار و اغیار کو۔ پورا علم تو خدا ہی کو ہو سکتا ہے جس پر ہر نہاں عیاں ہے :

چہ داند مردم کہ در جامہ کیست نویسندہ داند کہ در نامہ چیست

(سعدیؒ)

مولانا فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی نسبت کیا رائے قائم کرنی چاہیئے جو تلبیس ابلیس سے کسی شخص کو امام و مجتہد اور ولی اللہ و مجدد سمجھ کر اس کے متعلق خوش عقیدگی میں عمر گزار دیتے ہیں۔ مولانا اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جھوٹا امام تو مردود ہی ہے اور اس کی عاقبت فی النار والسقر ہے لیکن دھوکا کھایا ہوا مرید نجات یافتہ ہو سکتا ہے۔ وہ امام باطل کو اپنے تصوّر میں اخلاقِ فاضلہ سے متصف سمجھ لیتا ہے اور اپنے آپ میں وہ خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے امام میں درحقیقت موجود نہیں۔ اس کے متعلق مولانا ایک عمدہ مثال پیش کرتے ہیں ایک شخص اندھیری رات میں جبکہ قبلہ کی سمت معلوم کرنے کا کوئی یقینی ذریعہ نہ تھا کسی ایک غلط سمت کو قبلہ کی سمت سمجھ کر نماز ادا کرتا ہے تو اس کی

یہ نماز از روئے شرع باطل نہیں ہوتی۔ یہی حال کسی بدباطن کو قبلۂ توجہ بنالینے کا ہے۔ مرید سے اگر اچھے افعال سرزد ہوئے تو وہ ضرور اس کے لئے مفید ہونگے درآں حالیکہ جھوٹے مرشد کو ان سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا۔ مرید کا قصد نیک تھا اگرچہ اپنے مرشد کو جو محض جسدِ بے روح تھا اس نے روحانی لحاظ سے جاندار سمجھ لیا تھا:

لیک ناور طالب آید کز فروغ — درحقِ او نافع آید آں دروغ
او بقصدِ نیک خود جائے رسد — گرچہ جاں پنداشت آں آمد جسد
مردرا رومی نماید حالہا — کہ ندید آں ہیچ شیخش سالہا
چوں تحرّی در دلِ شب قبلہ را — قبلۂ نے۔ وآں نماز او را روا

زن وشوہر کی موافقتِ مزاج کے متعلق مولانا جوتی کے جوڑے کی مثال پیش کرتے ہیں۔ ایک شوہر زوجہ کو مخاطب کرکے کہ رہا ہے کہ زوجہ کو زوج سے ہمرنگ وہم صفت ہونا چاہیئے تاکہ خانگی زندگی عمدگی سے چل سکے۔ جوتی کے دونوجز وطرز وانداز اور رنگ وروغن میں باہم موافق ہونے چاہئیں۔ اگر جوتی کا ایک پاؤں فراخ ہو اور دوسرا تنگ تو دونو بے کار ہو جائیں گے۔ ایک پاؤں کسی اور رنگ کا اور تنگ اور دوسرا پاؤں کسی اور رنگ کا اور فراخ۔ کون مردِ معقول ایسا جوتا پہنے گا اگر ایک پاؤں کو بھی جوتا کاٹتا ہو تو اس کی تکلیف دوسرے پاؤں اور سارے جسم کو پہنچے گی سہولت سے چلنا دشوار ہو جائے گا۔

عورتوں کی تحقیر کرنے والے عام طور پر عورت کو جوتی سے تشبیہ دیتے ہیں جو پامال رہتی ہے اور مرد جب چاہے پرانی کو چھوڑ کر نئی پہن سکتا ہے۔ یہ نامعقول انسانوں کی باتیں ہیں ورنہ بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک اسلام کی تعلیم کا ایک اہم جزو ہے اور رسولِ کریمؐ نے فرمایا کہ تم میں سے اچھا مسلمان وہی ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہے اور آخری خطبے میں بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی خاص طور پر تاکید کی۔ اور فرمایا کہ تم ان کی محتاجی اور بے بسی سے ناجائز فائدہ مت اُٹھاؤ۔ مولانا کی تشبیہ میں یہ خوبی ہے کہ یہاں عورت ہی جوتی نہیں بلکہ مرد وزن مل کر جوتی کا ایک جوڑا ہیں جن کے ہم صفت ہونے ہی سے زندگی کا راستہ اچھی طرح سے کٹ سکتا ہے۔

بیوی کی زبانی فرماتے ہیں:

جفتِ مائی جفت باید ہم صفت — تا برآید کارہا با مصلحت
جفت باید بر مثالِ ہم دگر — در دو جفتِ کفش و موزہ در نگر
گر یکے کفش از دو تنگ آید بپا — ہر دو جفتش کار ناید مر ترا
جفت در یک خرد و آں دیگر بزرگ — جفت شیرِ بیشہ دیدی ہیچ گرگ

زن و شوہر میں اگر موافقت نہ ہو تو دونو کے لئے فراق و طلاق ہی مناسب ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ کاٹنے والی جوتی سے بہتر ہے کہ آدمی ننگے پاؤں ہی چلے :

رنج غربت بہ کہ اندر خانہ جنگ　　　　پا تہی گشتن بہ است از کفش تنگ

اس کے ساتھ ہی ایک دوسری تشبیہ بھی ہے کہ زندگی کو اگر لدا ہوا اونٹ سمجھ لو تو اس پر دائیں بائیں لدے ہوئے دو تھیلے ہم وزن ہونے چاہئیں۔ اگر دونو کا وزن برابر برابر نہ ہو تو مال اونٹ کی پیٹھ پر سے سرک کر گر جاتا ہے

آں یکے خالی و آں پُر مال مال　　　　راست ناید بر شتر جفتِ جوال

یہاں رزق مقدر کی نسبت ایک قصہ یاد آگیا۔ جو درج کرنے کے قابل ہے :

روایت ہے کہ ایک شخص دانا و معاملہ فہم تھا لیکن اپنی تمام دانش کے باوجود وہ نانِ شبینہ کا محتاج رہتا تھا۔ ایک روز بھوکا اور حیران کاروانوں کے راستے پر کھڑا تھا۔ دیکھا کہ اونٹوں کی مال سے لدی ہوئی ایک قطار رہ پیما ہے۔ وہ گھنٹوں کھڑا رہا اور اونٹوں کا سلسلہ ختم نہ ہونے پاتا تھا۔ آخری اونٹ کے ساتھ ایک شخص تھا اس سے پوچھا کہ یہ اونٹوں کا قافلہ اور یہ مال کس بڑے سوداگر کا ہے۔ اس نے کہا کہ میں ہی ان کا مالک ہوں۔ بھوکے دانا نے کہا کہ تم بڑے خوش بخت ہو اور تمہاری عقل بھی بہت معاملہ فہم ہو گی کہ تم نے تجارت سے اتنا فروغ حاصل کیا ذرا یہ تو بتاؤ کہ ان اونٹوں پر کیا مال لدا ہے۔ اس نے کہا کہ ہر اونٹ پر ایک طرف دو من گیہوں ہے اور دوسری طرف دو من ریت۔ عقلمند نے کہا کہ یہ ریت کیوں لاد رکھی ہے۔ تاجر نے کہا کہ اونٹ کے دونوں طرف وزن برابر ہونا چاہئے، ورنہ مال اونٹ کی پیٹھ پر نہیں ٹکتا اور گر جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ دانشور نے کہا کہ دونو طرفوں کو ہموزن رکھنے کی ضرورت تو درست، لیکن تم نے خواہ مخواہ ریت کا بوجھ لادنے کی بجائے یہ کیوں نہ کیا کہ گیہوں ہی کو نصفا نصف کر دیتے تاکہ دونو طرف گیہوں کا وزن برابر ہو جائے اور اونٹ پر بوجھ بھی زیادہ نہ پڑے۔ تاجر نے کہا کہ تم نے کیا عقل کی بات کہی مجھے مال لادتے ہوئے یہ بات نہیں سوجھی۔ تم بہت سوجھ بوجھ کے آدمی ہو کہو تمہارے پاس کتنے اونٹ اور کتنا مال ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے تو دو روز سے روٹی میسر نہیں آئی۔ تاجر نے کہا سبحان اللہ مال ایک کو دے دیا اور عقل دوسرے کو۔ بھائی ایسی عقلِ بے رزق تم کو مبارک! ہم احمق ہی اچھے ہیں :

چو ناداں تنگ تر روزی نبودے　　　　اگر روزی بدانش برفزودے

کہ دانا اندر آں حیراں بماند　　　　بناداں آں چناں روزی رساند　(سعدی)

دانا کے پاس ایک دانہ نہیں اور جس کے پاس دانے ہیں اس کے پاس دانائی نہیں۔ راقم الحروف کو ایک حافظ جی گلستاں بوستاں پڑھاتے تھے۔ اور اس آخری شعر میں دانا کی جگہ دانہ پڑھتے تھے کہ ناداں کو خدا اس طرح روزی پہنچاتا ہے کہ دانہ اس کے پیٹ کے اندر جا کر حیران ہوتا ہے کہ میں اس احمق کے پیٹ میں کیسے پہنچ گیا۔ کسی

عقل مند کی روزی کیوں نہ بنا۔

دنیاوی زندگی میں مال بہت عیب پوش ہوتا ہے۔ دولت مند کے کئی عیوب اس سے ڈھک جاتے ہیں اسی لئے کسی شاعر نے زر کو ستّارِ عیوب اور قاضی الحاجات کہا ہے جو خدا کے صفات ہیں۔ غریب کے تھوڑے سے عیب کو بھی لوگ بانس پر چڑھا دیتے ہیں۔ غریب بیچارہ بدی کم کرتا ہے لیکن بدنام زیادہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ مرزا غالب نے اپنی شراب نوشی کی بابت ایک رباعی میں کہا ہے کہ ہم مفلسوں کی شراب نوشی بے ہودہ کوشی ہی ہے جس سے بدنامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ساقی ہمیں پیالے کی بجائے چھلنی میں شراب دیتا ہے۔ نیچے دامن تر ہو جاتا ہے اور اوپر لب تر نہیں ہوتے۔ یہی تر دامنی یا بدنامی ہی ہمارے حصّے میں آئی ہے:

آں را کہ زدستِ بے زری پامال است　　رسوائیش نیز لازمِ احوال است
لب تر نشد و دامنم آلودہ زمے　　ساقی مگرش پیالہ از غربال است

مولانا فرماتے ہیں کہ دنیادار کو مال کی ضرورت زیادہ تر عیب پوشی کی وجہ سے ہوتی ہے خواہ وہ حماقت کی زندگی بسر کرتا ہو اور خواہ فسق و فجور کی، عوام کی زبان اس کے متعلق بند رہتی ہے۔ اس کے اسراف کو سخاوت اور اس کی عیاشی کو رنگینی کہتے ہیں وہ کوئی جرم کرتا ہے تو روپے کی بدولت سزا سے بچ جاتا ہے۔ روپیہ خرچ کر کے وہ حکام رس ہو جاتا ہے حکمرانوں کو دوست بنا لیتا ہے۔ سیّاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا۔ اس شخص میں کوئی ذاتی ہنر یا کمال نہیں ہوتا کہ کسبِ کمال سے وہ عزیزِ جہاں ہو سکے۔ نہ اس کے اخلاق اور اس کا تقوےٰ ایسا ہوتا ہے کہ لوگ دل سے اس کی عزّت کریں۔ ایسے شخص کے ہاتھ سے جب مال جاتا رہے تو دنیاداروں کے نزدیک اس کی عزّت دو کوڑی کی نہیں رہتی۔ اس کی خوبیوں کا راگ الاپنے والے، اس کے دسترخوان پر کھانے اور اس کے گُن گانے والے اس کی مذمت کرنے لگتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ایسے شخصوں کے لئے مال ایسا ہوتا ہے۔ جیسے گنجے کے سر کی ٹوپی۔ علم و اخلاق کے لحاظ سے یہ بے کمال صاحبانِ مال گنجے ہوتے ہیں ان کا گنج مال سے ڈھکا رہتا ہے۔ وہ لوگوں کے سامنے ٹوپی اُتارنا نہیں چاہتے لیکن یہ زر و مال کی سرپوش ٹوپی اگر گردشِ روزگار سے کبھی اُتر جائے تو ان کا گنج نمایاں ہو جاتا ہے:

مال و زر سر را بود چوں کلاہ　　کل بود آں کز کلہ سازد پناہ

کسے را کہ زر پیشِ آوردہ است　　عیوبش ہمہ در پسِ پردہ است　　(ظہوری)

ایسوں کے مقابلے میں جو شخص خوبصورت بال زلفِ دوتا اور جعدِ رعنا رکھتا ہے جب اس کی ٹوپی اُتر جائے

تو وہ اور زیادہ جمیل معلوم ہوتا ہے۔ جس شخص کے محمودہ صفات اس کی ہستی کا جزو ہیں اس کو عیب پوش مال کی کیا ضرورت بلکہ اس کے صفات بے زری کے ساتھ اور زیادہ دلکش ہو جاتے ہیں :

آنکہ زلف و جعدِ رعنا بایدش　　چوں کلاہش رفت خوشتر آیدش

مولانا یہاں ایک اور تشبیہ سے کام لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مردِ حق چشم بصیر کی طرح ہوتا ہے۔ کوئی شخص آنکھوں کو ڈھانکنا نہیں چاہتا۔ بصارت کی خوبی اس کی برہنگی میں ہے۔

مردِ حق باشد بمانند بصر　　پس برہنہ بہ کہ پوشیدہ بصر

دنیاداروں کے لئے پوشش عیب پوش ہوتی ہے۔ کپڑے پہنے ہوئے کسی شخص کے جسم کی اصلیت دکھائی نہیں دیتی۔ ایک شخص کسی غلام کو بیچنے کے لئے خریداروں کے سامنے پیش کرتا ہے اگر اس کو معلوم ہو کہ غلام متناسب الاعضا اور جسمانی لحاظ سے ہر طرح بے عیب ہے تو وہ اس کے کپڑے اتار کر خریداروں کو اس کا جسم دکھاتا ہے۔ لیکن اگر غلام کے جسم میں کوئی عیب ہو تو بیچنے والا خریداروں سے کہتا ہے کہ اس غلام میں کمال درجہ شرم و حیا ہے۔ یہ ہرگز آپ کے سامنے ننگا ہونا گوارا نہ کرے گا۔ کپڑے پہنے ہوئے ہی اس کا اندازہ کر کے اس کی قیمت لگاؤ۔ اگر کپڑے اتارنے کو کہو گے تو وہ بھاگ جائے گا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اکثر خواجگان دولت مند کا یہی حال ہے وہ سراپا عیب ہیں اور مال سے عیب پوشی کر رہے ہیں :

وقتِ عرضہ کردن آں بردہ فروش　　برکند از بندہ جامہ عیب پوش

ور بود عیبے برہنش کے کند　　بل بجامہ خدعۂ با دے کند

گویداین شرمندہ است از نیک و بد　　از برہنہ کردن او از تو رمد

خواجہ در عیب است غرقہ تا بگوش　　خواجہ را مال است و مالش عیب پوش

مکارم اخلاق رکھنے والے کے لئے تو مال نہیں بلکہ فقر باعثِ فخر ہوتا ہے۔ مالدار مال کے ذریعے سے جو عزت حاصل کرنا چاہتا ہے اس سے ہزار مرتبہ زیادہ عزت و احترام اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جس نے تزکیۂ نفس اور خلوص کے ذریعے سے دلوں کو اپنی طرف کھینچا ہے۔ حضرت عمرؓ جب فلسطین کا قبضہ حاصل کرنے کے لئے ایک اونٹ اور ایک غلام کے ساتھ بیت المقدس کے نواح پر پہنچے تو اس وقت غلام اونٹ پر سوار تھا اور خود پیدل چل رہے تھے۔ جو قمیص پہنے ہوئے تھے وہ راستے میں خاردار جھاڑیوں سے جابجا پھٹ گئی تھی۔ مسلمان جوان کے استقبال کے لئے آئے انہیں شرم آئی کہ یہاں کے شہری ان کو دیکھ کر کیا سمجھیں گے اور کیا کہیں گے۔ عرض کی کہ یا امیر المومنین یہاں کے لوگ اکثر خوش پوش ہیں اور آپ کے کپڑے اچھی حالت میں نہیں انہیں بدل دیجئے۔ ہم اچھا لباس آپ کے لئے ابھی پیش

کرتے ہیں۔ اس پر اس مردِ حق نے کہا کہ جن کی عزت کپڑوں کے ساتھ وابستہ ہے وہ اچھے کپڑے پہنتے پھریں ہماری عزت اسلام سے ہے جو بفضلہ ہمارے اندر موجود ہے وہ کسی ظاہری پوشش کا محتاج نہیں۔ حضرت معاویہؓ کو جب لباس فاخرہ پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا یا معاویہ اکیسروتیہ۔ اے معاویہ کسریٰ کی شان و شوکت شروع کر دی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ تعلیم و تلقین میں افادہ کا مدار استفادہ کرنے والے کی صلاحیت اور ذوق پر ہے۔ اس کو ایک بلیغ تشبیہ میں بیان فرماتے ہیں کہ جان کو اگر پستان سمجھ لو تو سخن اس پستان کے اندر کا دودھ ہے۔ یہ دودھ اسی وقت راس ہوتا ہے جب کوئی اس کو کھینچنے اور چوسنے والا ہو۔ سننے والا اگر تشنۂ حقیقت اور طالبِ معرفت ہو تو ایک مُردہ واعظ کے بیان میں بھی جان پڑ جاتی ہے۔ غیر شعوری طور پر کہنے والا سننے والے کے مذاق کے مطابق بات کرنے لگتا ہے۔ اگر سننے والے کی فکر بلند ہو تو کہنے والا بھی اس سطح پر اٹھ جاتا ہے۔ بے حس زبانیں بھی سننے والے کے ذوق سے گویا ہو جاتی ہیں:

اے دریغا گر ترا گنجا بدے   تا ز جانم شرحِ دل پیدا شدے
ایں سخن شیرست در پستانِ جاں   بے کشندہ خوش نمی گردد رواں
مستمع چوں تشنہ و جویندہ شد   واعظ ار مردہ بود گویندہ شد

ایک شخص حکمت و معرفت کی باتیں کر رہا ہے اور سننے والے اپنے ذوق اور اپنی طلب کی وجہ سے فیض یاب و محظوظ ہو رہے ہیں اتنے میں کوئی شخص اس مجلس میں آن ٹپکتا ہے جو اس ذوق سے بیگانہ ہے۔ اس کے آتے ہی زبانِ عرفان بند ہو جاتی ہے اسرار و حکم سکوت کے پردے میں پنہاں ہو جاتے ہیں۔ اوّل تو اس کے سامنے بیان جاری ہی نہیں رہ سکتا، اور اگر بتکلف کچھ کہا جائے تو بھینس کے آگے بین بجانے والا معاملہ ہے۔ اسی لئے حضرت مسیحؑ نے کہا کہ سوروں کے آگے موتی مت بکھیرا کرو۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اسرار و حِکم کو پردگیانِ حرم سمجھ لیجئے۔ نامحرموں کو دیکھتے ہی وہ پسِ پردہ ہو جاتے ہیں اور جہاں کوئی محرم آیا وہ بے نقاب سامنے آجاتے ہیں۔ دنیا میں جو جمال ہے وہ دیدۂ بینا کے لئے ہے۔ اندھوں کے سامنے اظہارِ حسن بے معنی بات ہے:

چونکہ نامحرم در آید از درم   پردہ در پنہاں شوند اہلِ حرم
ور در آید محرمے دور از گزند   برکشایند آں ستیراں روئے بند
ہر چہ را خوب و خوش و زیبا کنند   از برائے دیدۂ بینا کنند

اندھے خاوند کے لئے کون عورت بناؤ سنگھار کرے گی:

اے ستیرہ ہیچ تو برخاستی　　خویشتن را بہر کور آراستی

زمانۂ قدیم سے یہ بحث چلی آتی ہے کہ مرد و زن میں کون غالب اور کون مغلوب ہے۔ دونوں میں مساوات ہے یا ایک دوسرے سے افضل ہے۔ مولانا کا خیال زن و شوہر کی باہمی موافقت کے متعلق ہم اس سے قبل پیش کرچکے ہیں اب اس بحث میں اس مردِ حکیم نے اور دلنشیں نکات اور تشبیہات پیش کئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حق تعالےٰ نے عورتوں کی زینت کو مردوں کے لئے جاذب بنایا ہے۔ اور عورتوں کو مردوں کے لئے باعثِ تسکین بنایا ہے۔ زیّن للناس حب الشھوات من النساء۔ ھوالذی خلقکم من نفسٍ واحدۃٍ وجعل منھا زوجھا لیسکن الیھا۔ اس کا فطری نتیجہ یہ ہے کہ مرد عورت کی طرف کھچا جاتا ہے اور اس کشش کی وجہ سے اپنے ظاہری غلبے کے باوجود اندر سے مغلوب ہوتا ہے۔ بڑے بڑے جابر اور فاتح اور رستمِ زمان عورت کے سامنے اپنے اقتدار و تحکم کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں:

زیّن للناس حق آراستہ است　　زانکہ حق آراست چوں تاند رست

چوں پئے تسکیں الیہاش آفرید　　کے تواند آدم از حوّا بُرید

رستمِ زال ار بود وز حمزہ بیش　　ہست در فرماں اسیرِ زالِ خویش

عورت کی دلکشی ایسی ہے کہ رسولِ کریم جیسا افصح العرب والعجم جن کی باتوں سے ایک عالم وجد میں آجاتا تھا اپنی محبوب بیوی عائشہ صدیقہ سے کہتے ہیں کہ اے عائشہ کچھ باتیں کرو۔ کلمینی یا حمیرا۔

آنکہ عالم مستِ گفتش آمدے　　کلّمینی یا حمیرا می زدے

اس کے بعد ایک دوسرے پر غلبے کے متعلق مولانا ایک نہایت حکمت آموز تشبیہ سے کام لیتے ہیں فرماتے ہیں کہ عناصرِ اربعہ میں پانی آگ پر غالب دکھائی دیتا ہے۔ جہاں کہیں آگ سر اٹھائے پانی اس کو مغلوب کرلیتا ہے۔ لیکن پانی اگر دیگچی میں ہو اور آگ اس کے نیچے جلائی جائے تو پانی کھولنے لگتا ہے اور ہوا میں اڑنے لگتا ہے۔ دیگچی کے حائل ہونے کی وجہ سے پانی مغلوب ہوجاتا ہے۔ مرد و زن میں غلبے کی یہی کیفیت ہے بظاہر مرد غالب اور زن مغلوب۔ لیکن بباطن زن غالب اور مرد مغلوب۔ اس کے بعد ایک حدیث کی سند سے لکھتے ہیں کہ عورتیں عقلمند پر غالب آجاتی ہیں اور جاہل عورتوں پر غلبہ پاتا ہے:

انھن یغلبن العاقل ویغلبھن الجاھل۔

گفت پیغمبر کہ زن بر عاقلاں　　غالب آید سخت بر صاحبدلاں

باز بر زن جاہلاں غالب شوند　　زانکہ ایشاں تند و بس خیرہ رواند

کم بود شاں رقّت و لطف و وداد　　زانکہ حیوانی ست غالب بر نہاد

مہر و رقت وصفِ انسانی بود　　خشم و شہوت وصفِ حیوانی بود

سوال یہ ہے کہ زن کا مردِ عاقل پر غالب آنا اور مردِ جاہل کا زن پر غالب آنا کس وجہ سے ہے۔ مردِ عاقل سے یہ توقع ہے کہ وہ لطیف جذبات رکھتا ہے۔ اس میں عدل بھی ہے اور رحم بھی۔ وہ احسان فراموش بھی نہیں۔ زن صرف بیوی ہی نہیں بلکہ ماں اور بہن بھی ہے۔ مردِ عاقل اس کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا کہ اس کی ماں نے اس کو کس مصیبت سے جنا اور کس محبت اور ایثار سے پالا ہے۔ اس احسان کے مدِّ نظر وہ ماں سے ہمیشہ لطف و کرم سے پیش آئے گا۔ اور آخری عمر تک ایک فرماں بردار فرزند رہے گا۔ اچھی بیوی کے سامنے بھی انسان اسی لئے سرِ تسلیم خم کرتا ہے کہ وہ اس کی محبت سے لُطف اندوز ہوتا ہے۔ بچّوں کی پرورش اور امورِ خانہ داری کی دیکھ بھال کوئی معمولی خدمت نہیں۔ ایسی محبت اور خدمت کے روبرو مردانہ غلبے کا اظہار کرنا اور اکڑنا عاقل کا کام نہیں جاہل ہی کی حرکت ہو سکتی ہے۔ جاہل مردانگی کے تفوق میں سب کچھ بھول جاتا ہے اور معمولی ناراضگی میں زدوکوب پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ یہ اس کا حق ہے۔ عاقل کے زن سے مغلوب ہونے کے معنی زن مرید ہونا نہیں بلکہ اس کی نسائیت اور امومت کا احترام ہے جس کی بدولت وہ اس کے ایسے تقاضے پورے کرنے پر بھی آمادہ ہو جاتا ہے جو اسے بظاہر معقول معلوم نہیں ہوتے۔ عورت مرد کے مقابلے پر کمزور اور نازک مزاج ہے۔ مردِ عاقل اس سے سلوک کرتے ہوئے اس حقیقت کو فراموش نہیں کرتا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جاہل میں مہر و رقت و لطف جو وصفِ انسانی ہیں ان کی کمی ہوتی ہے اور اس پر حیوانیت غالب ہوتی ہے۔ غرضیکہ مولانا کے نزدیک مرد کا عورت پر غلبہ محض ظاہری ہے یا ایک حیوانی صفت کا اظہار ہے۔ لطیف جذبات رکھنے والا انسان جنسِ لطیف کے ساتھ درشتی سے پیش نہیں آسکتا۔ مہذّب زندگی بسر کرنے والا مرد ایسا ہے جیسا کہ دیگچی کے اندر کا پانی۔ وہ آگ کو بجھاتا نہیں بلکہ جب اس کے نیچے آگ مشتعل ہو، خواہ وہ عورت کے جذبات کی آگ ہو۔ یا کسی وقت غصّے میں اس کے اشتعال کی آگ دونو صورتوں میں مردِ عاقل مغلوب ہو جاتا ہے اور عقل و تہذیب کا تقاضا بھی یہی ہے۔

اس بحث کے آخری شعر میں عورت کی توصیف میں ایک ایسا شعر کہا ہے کہ اس سے بلند تر قابلِ احترام صفت ذہن میں نہیں آسکتی۔ فرماتے ہیں کہ عورت کے محبوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ظلّ اللہ یا پرتوِ حق ہے۔ خدا کے صفاتِ کاملہ مجازی اعتبار سے انسان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ نائب الٰہی ہونے کی وجہ سے وہ صفاتِ الٰہیہ کا مظہر ہے لیکن ان صفاتِ الٰہیہ میں سے خلاقی کی صفت کا مظہر مرد سے کہیں زیادہ عورت ہے۔ تمام انسان عورت کے بطن سے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک جرثومۂ حیات سے شروع کر کے کامل بچّہ بننے تک عورت ہی کا رحم ربوبیت کا محل ہے۔ اس لئے مولانا فرماتے ہیں کہ عورت گو ایک حیثیت سے مخلوق ہے لیکن دوسری حیثیت سے وہ خالق بھی ہے۔ خالق حقیقی خدا ہے لیکن خالقِ مجازی عورت سے بڑھ کر اور کوئی نہیں۔ مردوں نے دنیا میں جو بڑے سے بڑے کام کئے ہیں

اور علم و ہنر میں جس کمال کا اظہار کیا ہے ان میں سے کوئی کام ایسا نہیں جو کسی عورت نے نہ کیا ہو یا آیندہ کوئی عورت نہ کر سکے۔ لیکن ایک کام ایسا ہے جو فقط عورت ہی کر سکتی ہے اور کوئی مرد کسی حالت میں بھی کر سکتا وہ بچہ جننا ہے۔ جو کائنات میں خدا کی خلّاقی کے بعد سب سے بڑا خلاقی کا عمل ہے۔ مرد ہر قسم کی صناعی میں کمال پیدا کرتے ہیں لیکن ایک قطرے سے انسان بنانا اور اولیاء انبیا و صلحا کو معرضِ وجود میں لانا عورت ہی کا کام ہے۔ اس لئے مولانا عورت کو پرتوِ حق اور خالق کہتے ہیں:

پرتوِ حق است آں معشوق نیست　　خالق است آں گوئیا مخلوق نیست

کلید مثنوی میں اس شعر کی شرح میں لکھا ہے کہ عورت کی تشبیہ بالخالق اور مظہریت صفاتِ الٰہیہ چند اعتبارات سے ہے۔ اوّل یہ کہ وہ مرد کی جاذبِ قلب ہے دوم بچّے کی مولد و مصوّر ہے سوم بچّے کی مربی ہے چہارم شوہر کے لئے اس سے سکونِ قلب ہے پنجم وہ مصلح امورِ معیشت ہے اور ان میں سے ہر صفت کسی نہ کسی صفتِ الٰہیہ کا پرتو ہے۔

اسلام کی بنیادی حقیقتیں
مصنّفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم
قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلام میں حیثیتِ نسواں
مصنّفہ محمد مظہر الدین صدیقی
قیمت تین روپے

افکارِ ابنِ خلدون
مصنّفہ محمد حنیف ندوی
قیمت تین روپے آٹھ آنے

الدین یسرٌ
مصنّفہ محمد جعفر شاہ پھلواروی
قیمت پانچ روپے

ملنے کا پتہ

مینجر ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور